

COSMOS

Echoes of Nature

Issue 3: September 2026



Āyāt Environmental Welfare Society



Āyāt Environmental Welfare Society

www.aewspk.org

COSMOS

Executive Board

- **Dr. Shahzeb Khan** – *Executive Editor*
Institute of English Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan
- **Dr. Atta Muhammad** – *Senior Editor*
Govt. Graduate Talim-ul-Islam College, Chenab Nagar, Pakistan
- **Dr. Asma Bilal** – *Senior Editor*
National Defence University, Islamabad, Pakistan
- **Dr. Izzah Shahid** – *Senior Editor*
Public University of Navarra, Pamplona, Spain
- **Dr. Dilawar Hussain** – *Senior Editor*
Quaid-i-Azam University, Islamabad, Pakistan

Associate & Newsletter Editors

- **Muhammad Hasnain** – *Newsletter Editor*
Government Graduate Islamia College, Chiniot, Pakistan
- **Sayed Saim Sherazi** – *Associate Editor*
Government Graduate Talim-ul-Islam College, Chiniot, Pakistan
- **Imran Feroz** – *Associate Editor*
Government Graduate Talim-ul-Islam College, Chiniot, Pakistan
- **Natasha Ijaz** – *Associate Editor*
Government College University, Faisalabad, Pakistan
- **Behjat Shahid** – *Associate Editor*
Home Economics University, Lahore

Advisory Board

- **Prof. Dr. Tanvir Anjum**
Quaid-i-Azam University, Islamabad, Pakistan

- **Dr. Shafqat Hussain**
Government College University, Faisalabad, Pakistan
- **Dr. Salman Hussain**
York University, Toronto, Canada
- **Dr. Muhammad Abrar Zahoor**
University of Sargodha, Sargodha, Pakistan
- **Dr. Zafar Mohyuddin**
University of Sargodha, Sargodha, Pakistan

Operations & Administration

- **Muhammad Alamgir** – *President*
Ayat Environmental Welfare Society
Government Graduate Talim-ul-Islam College, Chenab Nagar, Pakistan
- **Samiullah** – *Vice President of Operations*
Government High School Rashida, Chiniot, Pakistan)
- **Muhammad Imran** – *Finance Controller*
Superior College, Chiniot, Pakistan
- **Usman Ali** – *Accounting Coordinator*
Government Graduate Talim-ul-Islam College, Chenab Nagar, Pakistan
- **Mubashar Abbass** – *IT Director*
Government Graduate Talim-ul-Islam College, Chenab Nagar, Pakistan

Contact

Dr. Atta Muhammad
COSMOS Magazine
Phone: 0092 3187676833
Rashida, Chiniot, Punjab
Pakistan
cosmosme25@gmail.com



Preface

In an era marked by environmental crises, humanity is at a crossroads. The relationship between humans and the natural world is no longer harmonious, but is strained by climate change, biodiversity loss, deforestation, and unsustainable resource consumption. Our materialistic approach has led to the rapid depletion of natural resources, causing irreversible damage to ecosystems. Melting ice caps, vanishing forests, water scarcity, and rising global temperatures serve as stark reminders of the urgency of action.

COSMOS: Echoes of Nature is a platform dedicated to exploring, understanding, and addressing these challenges. We believe that nature is not merely a resource for human exploitation but a living entity with intrinsic rights. Rooted in both scientific and philosophical perspectives, *COSMOS* welcomes diverse voices—from environmentalists and scientists to artists and scholars—who seek to raise awareness, propose solutions and inspire change.

Our magazine publishes essays, interviews, book reviews, reports, videos, and artwork that critically engage with climate change, environmental policy, sustainable technology, and cultural perspectives on nature. While we acknowledge the spiritual and religious dimensions of environmental ethics, *COSMOS* is a multidisciplinary platform open to all perspectives that contribute to discourse on the future of our planet.

With the launch of *COSMOS*, we invite thinkers, researchers, activists, and creative minds to contribute to this dialogue. The fate of the natural world is intertwined with our own; we must act now to ensure that future generations do not remember us as the destroyers of the Earth but as its guardians and restorers.

Āyāt Environmental Welfare Society



Āyāt Environmental Welfare Society

انسان اور فطرت: بقائے تسخیر تک

انسانی تاریخ کا آغاز دراصل قدرت، اس کے وسائل اور اس کے ماحول سے ہوتا ہے۔ ابتدائی انسان اگرچہ شکار اور جمع کرنے کا عادی تھا، مگر اس کی بقا کا ہر ذریعہ اسی قدرتی ماحول کا مہر ہون منت تھا جس نے اسے خوراک، پناہ اور زندگی کے امکانات فراہم کیے۔ یوں انسان کی ذہنی نشوونما اور ارتقا محض داخلی عمل نہ تھا بلکہ قدرتی ماحول کی مسلسل تبدیلیوں کا وہ عکس تھا جس نے انسان کے بنیادی ڈھانچے تک کو بدل کر رکھ دیا۔

قدرت بیک وقت حسین اور سفاک ہے، مگر ماحول وہ آئینہ ہے جس میں انسان کے اعمال کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت، انسان کے اعمال ہی ماحول کو اس منہ پر لے جاتے ہیں جہاں قدرت کا انتخاب اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اگرچہ انسان اس نظام قدرت کا ایک اہم جز ہے، لیکن ماحول وہ سانچہ ہے جس میں اس کی تشکیل ہوتی ہے۔ تاریخی طور پر انسان اس وقت تک تہذیب سازی کی طرف نہیں بڑھا جب تک اس کے گرد و پیش میں وباؤں، قحط اور بد امنی کے خطرات نسبتاً کم نہ ہو گئے۔ جیسے ہی اس نے ذہنی ارتقا کی ایک نئی سطح کو چھوا اور زرعی انقلاب برپا کیا، تو گویا اس نے خود کو ایک نئے سانچے میں ڈھال لیا۔ یہ دراصل ماحول اور قدرتی انتخاب ہی تھے جنہوں نے انسان کی آزاد فطرت کو ایک حد تک متعید کر کے اسے زمین سے وابستہ کر دیا۔ بستیاں، دیہات، قصبے، شہر اور عظیم تہذیبوں کے وہ آثار جو آج بھی دنیا کے لیے باعث حیرت ہیں، سب کے سب ایسے خطوں میں پروان چڑھے جہاں قدرت نے زندگی کے لیے سازگار حالات فراہم کیے۔ دریا سندھ ہو، نیل ہو یا درجلہ و فرات ہمیشہ انسانی تہذیب کے اولین مراکز رہے۔ یہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ انسان ہمیشہ ایسے ماحول کی تلاش میں رہا ہے جو اس کی بقا اور ترقی کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہو۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ تہذیب کی بنیاد دراصل ماحول ہی ہے، اور انسان اسی سانچے میں ڈھل کر اپنی تاریخ رقم کرتا آیا ہے۔ یہی ماحول تھا جس کے خوف، اسرار اور ناقابل فہم عناصر نے انسان کو ماورائیت کی جستجو پر آمادہ کیا۔ جب وہ قدرت کی قوتوں کو سمجھنے سے قاصر رہا تو اس نے ان کے پس پردہ کسی عظیم طاقت کا تصور قائم کیا، اور یوں خدا کی تلاش نے مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ انسان کے لیے ماحول اور خدا کو جدا کرنا ممکن نہ رہا بلکہ اکثر اوقات وہ قدرت کی ہیبت اور جلال سے مرعوب ہو کر اسی کو معبود کا درجہ دینے لگا۔ اسی سبب قدیم تہذیبوں یونان، مصر اور بابل میں فطرت کو محض ایک نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور مقدس حقیقت سمجھا گیا۔ سورج، چاند، زمین، پانی اور درخت جیسے عناصر کو خدائی صفات سے متصف کر کے ان کی پرستش کی جانے لگی۔ یہ دراصل انسان کی اس داخلی کیفیت کا اظہار تھا جہاں وہ اپنی کمزوری اور قدرت کی برتری کے درمیان ایک روحانی رشتہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قدیم متون بھی اس فکر کی گواہی دیتے ہیں۔ رگ وید میں پانی کو محض ایک مادی شے نہیں بلکہ ایک مقدس اور خدائی جوہر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لنگا اور جمنا کے کناروں پر بسنے والے لوگ آج بھی ان دریاؤں کو صرف پانی کا بہاؤ نہیں بلکہ ایک روحانی وجود تصور کرتے ہیں۔ ایسا وجود جو پاک بھی کرتا ہے اور مقدس بھی ہے، جس کی تعظیم محض عقیدت نہیں بلکہ ایک قدیم فکری تسلسل کی علامت ہے۔

فلسفہ کی آمد نے انسان کے ذہن میں مختلف سوالات کو جنم دینا شروع کیا۔ اگرچہ فلسفہ بظاہر فراغت فکر کا نتیجہ تھا مگر یہ محض ایک مشغلہ نہ رہا بلکہ انسان کی ہستی پر حاوی ہونے لگا۔ کل تک وہ انسان جو نسبتاً بہتر خوراک اور بقا کی جدوجہد میں مصروف تھا، آج وہی غیرت، وطن، اخلاقیات اور وجود جیسے پیچیدہ موضوعات پر غور و فکر کرنے لگا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں انسان نے ماحول کی محض پرستش کے بجائے اس کے پس پردہ کار فرما قوت پر سوال اٹھانا شروع کیے۔ وہ قوت جس کے تناظر میں انسان کو مرکزیت حاصل تھی اور ماحول کو اس کے لیے تخلیق شدہ سمجھا جانے لگا۔ اب چونکہ انسان خود کو ماحول پر غالب تصور کرنے لگا ہے، اس لیے اس نے محض فہم یا عقیدت پر اکتفا نہ کیا بلکہ تسخیر

فطرت کو اپنا نصب العین بنالیا۔ اگر ابتدائی انسان ایک ایسے مسافر کی مانند تھا جو فطرت کے جنگل میں راستہ تلاش کرتا تھا تو جدید انسان اسی جنگل کا معمار بن گیا لیکن ایسا معمار جس کی تعمیر میں تخلیق کے ساتھ ساتھ تخریب بھی شامل ہے۔ زرعی انقلاب نے اسے زمین کے ساتھ وابستہ کیا، اسے ٹھہراؤ اور ملکیت کا شعور دیا، جبکہ صنعتی انقلاب نے اس کے ہاتھ میں وہ غیر معمولی قوت دے دی جس کے ذریعے اس نے نہ صرف زمین کو کاشت کیا بلکہ اس کے باطن تک رسائی حاصل کر لی۔ یہیں ایک اہم فکری موڑ سامنے آتا ہے۔ انسان نے فطرت کو سمجھنے کے لیے جو علم حاصل کیا، وہی علم آہستہ آہستہ غلبے کا آلہ بن گیا۔ کانوں سے نکلنے والی دھاتیں محض وسائل نہ رہیں بلکہ طاقت کی علامت بن گئیں، زمین کی تہوں میں مدفون ایندھن نے تہذیبوں کی رفتار متعین کی، اور دریاؤں کی روانی کو قابو میں لا کر انسان نے نہ صرف زراعت بلکہ سیاست اور معیشت کو بھی اپنے کنٹرول میں لینا شروع کیا۔ یوں علم اور طاقت کا باہمی رشتہ واضح ہوتا گیا جتنا زیادہ علم اتنی زیادہ تسخیر۔ مگر اس تمام پیش رفت کے ساتھ ایک لطیف مگر گہرا تضاد بھی جنم لیتا ہے۔ انسان جس ماحول کو مسخر کرنے نکلا تھا، اسی پر اس کا انحصار بھی بڑھتا گیا۔ وہ جتنا فطرت پر قابو پانے کی کوشش کرتا گیا، اتنا ہی اس کے نظام میں الجھتا گیا۔ جدید سائنسی ترقی نے جہاں سہولتیں پیدا کیں، وہیں ایک نیا سوال بھی پیدا ہوا، کیا انسان واقعی حاکم ہے یا محض ایک پیچیدہ نظام کا حصہ جسے وہ مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہے؟ فلسفہ اس تناظر میں ایک بار پھر اپنی اہمیت منواتا ہے۔ اب سوال صرف یہ نہیں رہا کہ انسان کیا کر سکتا ہے، بلکہ یہ بھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اخلاقیات، ذمہ داری، اور وجودی معنویت جیسے مباحث دوبارہ مرکز میں آجاتے ہیں۔ یوں انسان کی کہانی محض بقا سے تسخیر تک کا سفر نہیں بلکہ شعور، اختیار اور جوابدہی کے درمیان ایک مسلسل کشمکش کی داستان بن جاتی ہے۔

صنعتی انقلاب نے بظاہر انسان کی عظمت کا ایک زبردست بیانیہ تشکیل دیا۔ اس نے انسان کو محض فطرت کا تابع نہیں بلکہ اس کا معمار قرار دیا اور سائنس کو اس عظمت کا سب سے مؤثر آلہ بنا کر پیش کیا۔ مگر اسی عمل میں ایک فکری تبدیلی بھی وقوع پذیر ہوئی انسان نے سائنس کو محض ذریعہ فہم کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسی بالادست قوت کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا جو فطرت کے پس پردہ کار فرما اصولوں کی مکمل ترجمان ہے۔ یوں سائنس ایک نئے "نظام اعتقاد" کی صورت اختیار کرنے لگی، ایسا نظام جو نہ صرف ہر فطری ماحولیاتی تبدیلی کی توجیہ پیش کرتا ہے بلکہ ان کے تدارک کے لیے بھی اسی کے دائرے میں حل تلاش کرتا ہے۔ یہ تبدیلی محض علمی نہ تھی بلکہ تہذیبی اور نفسیاتی بھی تھی۔ انسان نے پہلی بار خود کو اس مقام پر محسوس کیا جہاں وہ نہ صرف کائنات کو سمجھ سکتا ہے بلکہ اس کی تشکیل نو بھی کر سکتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں "جدید انسان" نے جنم لیا ایک ایسا انسان جو مشینوں کے ذریعے نہ صرف تعمیر کرتا ہے بلکہ اپنے گرد موجود ہر شے کو اپنی ضرورت اور منطق کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں ایک باریک مگر فیصلہ کن نکتہ موجود ہے کہ یہ معماری درحقیقت تخلیق کے ساتھ ساتھ تخریب کی نئی بنیاد بھی بن گئی۔ مشین نے انسان کو رفتار، قوت اور وسعت تو عطا کی، مگر اس کے ساتھ اس نے فطرت کے ساتھ انسان کے توازن کو بھی بگاڑ دیا۔ صنعت نے پیداوار میں اضافہ کیا، مگر اسی کے ساتھ وسائل کے بے دریغ استعمال، ماحولیاتی آلودگی، اور قدرتی نظام کے عدم توازن کو بھی جنم دیا۔ یوں انسان کی "تعمیر" دراصل ایک ایسے عمل میں تبدیل ہونے لگی جس کے اندر تخریب کا عنصر بھی برابر شامل تھا۔

فکری و استدلالی سطح پر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سائنس بذاتِ خود ایک غیر جانب دار علم ہے وہ نہ فی نفسہ خیر کی نمائندہ ہے اور نہ شر کی، بلکہ اس کے اثرات اور نتائج کا انحصار انسان کے فکری رجحانات، اخلاقی رویوں اور عملی استعمال پر ہوتا ہے۔ مگر جب سائنس کو ایک مطلق سچائی اور حتمی اختیار کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے، تو انسان اپنی حدود کو نظر انداز کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بنیادی فکری بحران جنم لیتا ہے، کیونکہ انسان خود کو تخلیقی اختیار کے ایک اعلیٰ منصب پر فائز سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ وہ تاحال نظام تخلیق کی مکمل تفہیم اور اس کے ہمہ گیر حقائق کا ادراک حاصل نہیں کر سکا۔ نتیجتاً، انسان کی جنگ اب کسی دوسرے وجود سے نہیں بلکہ خود ماحول سے ہونے لگی۔ وہ ماحول جس کی بقا انسان کی بقا و نشوونما کی علامت تھی، اب اسی کے لیے ایک میدانِ تسخیر بن گیا۔ جنگلات کا خاتمہ، دریاؤں کی آلودگی، فضا میں زہریلی گیسوں کا اضافہ، مہلک ہتھیاروں کی تیاری، قدرتی وسائل پر قبضے کی نہ ختم ہونے والی کشمکش، انسانی طبقات کی برتری و کمتری پر مبنی تقسیم، نسل کشی کے رجحانات، نسل پرستانہ نظریات کا

فروغ، اور سرمایہ دارانہ تسلط کی توسیع یہ سب اسی تصادم کے مختلف مظاہر ہیں جو انسان اور فطرت کے درمیان عدم توازن کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں۔ مگر اس جنگ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس میں فتح کا کوئی واضح تصور موجود نہیں کیونکہ اگر انسان ماحول کو مکمل طور پر "تسلط" دے بھی دے تو درحقیقت وہ اپنی ہی بقا کے اسباب کو ختم کر بیٹھے گا۔

صنعتی عہد میں جب چارلس ڈارون نے قدرتی انتخاب کا نظریہ پیش کیا تو اس کی سائنسی معنویت کو بہت جلد معاشی و صنعتی مفادات نے اپنے حق میں موڑ لیا۔ کارخانوں کے مالکان نے اس تصور کو محض ایک حیاتیاتی اصول کے طور پر نہیں بلکہ ایک عملی جواز و جدید مذہب و عقیدہ کے طور پر اپنایا گیا گیا بقا صرف اسی کی ہے جو طاقتور ہے اور یہی اصول معیشت، سیاست اور سماج پر بھی لاگو ہوتا گیا۔ یوں ایک سائنسی نظریہ بتدریج ایک غیر اعلانیہ عقیدے میں ڈھل گیا، جسے "قانون فطرت" کے نام پر دنیا پر مسلط کیا جانے لگا۔ اس فکر کے زیر اثر صنعتی طاقتوں نے اپنی پیداوار بڑھانے اور نئی منڈیوں کی تلاش میں دنیا کو مسابقت، استحصال اور بالآخر جنگوں کی طرف دھکیل دیا۔ خام مال کی بے تحاشا طلب اور نئی ایجادات کی فروخت نے انسان کو اس منہج پر پہنچا دیا جہاں فطرت محض وسائل کا ذخیرہ بن کر رہ گئی۔ نتیجتاً ماحولیاتی توازن کا نازک تاننا بٹکھرنے لگا، اور وہ کائناتی ہم آہنگی، جو کبھی انسان کے لیے سکون اور بقا کی ضمانت تھی، ایک خوفناک اور غیر یقینی منظر میں بدلنے لگی۔ گویا کے انسان کے ارد گرد کا وہ عظیم سانچہ ایک کھوکھلے ڈھانچے کی صورت میں انسان کے لیے ایک اور یوں انسان کے گرد موجود وہ عظیم سانچہ بتدریج ایک خوفناک اور غیر یقینی منظر نامے میں تبدیل ہو گیا، جو ہر سمت انسانی وجود کو اضطراب اور بے یقینی سے دوچار کرتا دکھائی دینے لگا۔ یہی وہ زاویہ نظر ہے جس نے انسان اور ماحول کے درمیان تعلق کو رشتے سے ہٹا کر استحصال میں بدل دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے فطرت کو ایک "وسیلہ" بنادیا، نہ کہ ایک "امانت"۔ انسان نے اس عمل کو "فتح" کا نام دیا، مگر فطرت کے اصول اس سے مختلف ہیں فطرت میں کوئی فتح دائمی نہیں ہوتی، بلکہ توازن ہی اصل قانون ہے۔ جو قوت اس توازن کو بگاڑتی ہے وہ بالآخر خود بھی اسی عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔ یوں انسان کی یہ نام نہاد فتح درحقیقت ایک عارضی فتح ہے، ایک ایسی برتری جو جتنی تیزی سے حاصل ہوتی ہے اتنی ہی شدت سے اپنے نتائج بھی ظاہر کرتی ہے۔ فطرت کے نظام میں فاتح وہ نہیں جو زیادہ حاصل کرے بلکہ وہ ہے جو توازن کو برقرار رکھ سکے اور اسی پیمانے پر دیکھا جائے تو جدید انسان کی سب سے بڑی آزمائش ابھی باقی ہے۔

جدید دور میں ایک اور اہم تبدیلی مصنوعی ذہانت کی صورت میں سامنے آئی ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ مصنوعی ذہانت نے جہاں ترقی، رفتار اور سہولت کے نئے دروازے کھولے ہیں، وہیں اس نے توانائی کے بے تحاشا استعمال، ڈیٹا سائنسز کی بڑھتی ہوئی طلب اور صنعتی خود کاری کے ذریعے ماحولیاتی دباؤ میں بھی اضافہ کیا ہے۔ مزید یہ کہ انسان اب فیصلہ سازی میں بھی ٹیکنالوجی کا محتاج بنتا جا رہا ہے، جو اس کے فطری توازن اور خود مختاری کے تصور کو نئے سوالات کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ لہذا آج انسان نہ صرف فطرت کے ساتھ اپنے تعلق کے بحران سے گزر رہا ہے بلکہ ایک ایسی ٹیکنالوجیکل دنیا میں بھی داخل ہو چکا ہے جہاں مصنوعی ذہانت اس کی سوچ، معیشت اور مستقبل کی سمت متعین کرنے لگی ہے۔ یوں یہ کشمکش دو یہ کشمکش اب دو مختلف سطحوں تک وسعت اختیار کر چکی ہے ایک جانب فطرت کے ساتھ انسان کے تعلق میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، اور دوسری طرف اپنی ہی تخلیق کردہ ٹیکنالوجی کے ساتھ انحصار۔ نتیجتاً اگر انسان نے فطرت کے ساتھ اپنے تعلق کو توازن اور احترام کی بنیاد پر استوار نہ کیا، اور ٹیکنالوجی کو محض غلبے کے بجائے ذمہ داری کے ساتھ استعمال نہ کیا، تو یہ دونوں محاذ ماحولیاتی تباہی اور تکنیکی بے قابو ترقی اس کے اپنے وجود کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ اصل سوال اب یہی ہے کہ کیا انسان اپنی تخلیقات اور اپنے ماحول دونوں کے ساتھ ہم آہنگ رہ کر بقا حاصل کر سکتا ہے، یا وہ اپنی ہی ترقی کے بوجھ تلے دب کر تاریخ کا ایک بند باب بن جائے گا۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو انسان اور فطرت کے درمیان یہ مسلسل بڑھتی ہوئی کشمکش اب ایک سادہ ماحولیاتی مسئلہ نہیں رہی بلکہ ایک تہذیبی بحران کی صورت اختیار کر چکی اب یہ خطرہ کسی ایک خطے تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانی نسل کے مستقبل سے جڑا ہوا ہے۔ بین الاقوامی پینل برائے ماحولیاتی تبدیلی کی رپورٹس اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ زمین کا اوسط درجہ حرارت تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کے نتیجے میں گلیشیرز انتہائی خطرناک رفتار سے پگھل رہے ہیں اور برفانی خطے سکڑ رہے ہیں حمل محض برف کا ختم ہونا

نہیں بلکہ دنیا کے بیٹھے پانی کے بڑے ذخائر کے مستقبل پر سوالیہ نشان ہے اور آنے والے وقت میں شدید آبی بحران کے خطرے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح جنگلات کی بے دریغ کٹائی بھی زمین کے قدرتی توازن کو شدید نقصان پہنچا رہا ہے جنگل جو زمین کے پھیپھڑے سمجھے جاتے ہیں اب تیزی سے ختم ہوتے جا رہے ہیں جس کے نتیجے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ میں اضافہ ہو رہا ہے اور عالمی درجہ حرارت مزید بلند ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لاکھوں جانوروں اور پودوں کی نسلیں معدوم ہو رہی ہیں جو حیاتیاتی تنوع کے زوال کی واضح دلیل ہے۔ سمندری نظام بھی اس تباہی سے محفوظ نہیں صنعتی فضلہ، پلاسٹک آلودگی اور کیمیائی مادے سمندری حیات کے لیے شدید خطرہ بن چکے ہیں۔ سمندری حیات کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے اور مرجان کی چٹانیں جو سمندری زندگی کا اہم حصہ ہیں مسلسل ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی ہیں ساتھ ہی ساتھ اوزون کی تہہ میں کمی بھی ایک سنگین خطرہ بن چکی ہے کیونکہ اوزون کی بربادی سورج کی خطرناک الٹرا وائلٹ شعاعوں کو براہ راست زمین تک پہنچنے دے رہی ہے جس کے نتیجے میں جلدی امراض اور ماحولیاتی عدم توازن بڑھتا جا رہا ہے۔

اگر ان تمام حقائق کو ایک ساتھ دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمین کا قدرتی نظام اپنی برداشت کی آخری حد کے قریب پہنچ چکا ہے۔ گلیشیرز کا پگھلنا، جنگلات کا خاتمہ، سمندری حیات اور اوزون کی تہہ کی تباہی یہ تمام عوامل ایک ایسے مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں جہاں زمین انسانی زندگی کے لیے غیر محفوظ یا ناقابل رہائش بن سکتی ہے عالمی ادارہ صحت کے مطابق ماحولیاتی آلودگی پہلے ہی انسانی صحت پر شدید منفی اثرات مرتب کر رہی ہے، اور اگر بروقت اقدامات نہ کیے گئے تو یہ صورتحال مستقبل میں مزید سنگین ہوتی چلی جائے گی۔ لہذا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اگر فطرت کے ساتھ اپنے تعلق کو توازن کے بجائے استحصال اور غلبے کی بنیاد پر جاری رکھتا ہے تو یہ تمام ماحولیاتی عوامل مل کر اس کے اپنے وجود کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں اب سوال یہی ہے کہ کیا انسان وقت رہتے اپنی روش بدل کر فطرت کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کرے گا یا اپنی ہی پیدا کردہ تباہی کے نتیجے میں زمین کو ایک ایسے مقام تک لے جائے گا جہاں زندگی کا تسلسل برقرار رکھنا ممکن نہ رہے۔

Muhammad Rumi
University of Sargodha

References:

- 1- Darwin, Charles. On the Origin of Species by Means of Natural Selection. London: John Murray, 1859.
- 2- Diamond, Jared. Guns, Germs, and Steel: The Fates of Human Societies. New York: W. W. Norton & Company, 1997.
- 3- Harari, Yuval Noah. Sapiens: A Brief History of Humankind. London: Harvill Secker, 2014.
- 4- Intergovernmental Panel on Climate Change (IPCC). Sixth Assessment Report: Climate Change 2021–2023. Geneva: IPCC, 2023.
- 5- World Health Organization (WHO). Environmental Health Air Pollution and Health. Geneva: WHO, 2024.
- 6- United Nations Environment Programme (UNEP). Making Peace with Nature: A Scientific Blueprint to Tackle the Climate, Biodiversity and Pollution Emergencies. Nairobi: UNEP, 2021.
- 7- Carson, Rachel. Silent Spring. Boston: Houghton Mifflin, 1962.
- 8- NASA. Global Climate Change: Vital Signs of the Planet. Washington, D.C.: NASA Jet Propulsion Laboratory, 2024. <https://climate.nasa.gov>
- 9- Encyclopaedia Britannica, s.v. "Environment and Human Evolution." Accessed on: May 2026. <https://www.britannica.com>

Sacred Earth and the Modern Crisis: A Historical Dialogue on Ecology

Environmental degradation is one of the most pressing issues of the 21st century. Its impacts are transmissible in social systems and affect physical and mental conditions. This has often been described as environmental racism and occurs at the global level. In modern literature, the ecological crisis is represented as a deep disconnection and dislocation of the natural world and human society. The term 'environmental crisis' refers to a progressive imbalance of nature, which can be attributed to human actions, especially the overuse of advanced technology and scientific development. The root cause of such crises lies in the increasing levels of ecological disequilibrium both domestically and internationally. Various ideologies, schools of thought, economic motives, and contemporary narratives have shaped and intensified these crises.

Seyyed Hossein Nasr, in his book published in 1968 titled *Man and Nature: The Spiritual Crisis of Modern Man*, argues that the ecological crisis that modern society faces is a spiritual crisis, and not an incident of material progress. According to this viewpoint, ecology is a spiritual discourse that aims to reawaken the holy qualities and moral orientation of the Earth rather than being merely an environmental discipline. Over time, ecological debates have revolved around five major schools of thought. These perspectives have remained central to discussions on nature, ecology, and the Earth. Scholars have identified five main schools of thought to explain human attitudes toward nature in terms of its preservation and destruction.

The first is the anthropocentric school, which has traditionally been led by philosophers such as Francis Bacon and René Descartes. This school has had a major influence on environmental exploitation, viewing nature as a resource for human use. The second is the Mechanistic-Modernist school, which is associated with modern science and industrial capitalism and has significantly contributed to ecological degradation. It views nature as a dead system that must be managed effectively. Third, there is the ecocentric school, articulated by like-minded thinkers such as Aldo Leopold and Arne Naess, which states that nature has ethical value and should be ethically considered regardless of human interests. The fourth school is the Religious-Spiritual school, which upholds that nature is holy and focuses on the spiritual obligation to conserve the environment. Seyyed Hossein Nasr and Max Oelschlaeger are some of the thinkers who advocate this point of view. Finally, the Sustainability and Environmental Ethics school, inspired by modern environmentalists, researchers, and international bodies such as the World Commission on Environment and Development, introduced a compromising strategy according to which people can continue to develop but protect ecosystems. Collectively, these schools shed light on how divergent ideological views of the world have played a role in the conservation and deterioration of the environment.

Lynn White Jr.'s prominent essay titled *The Historical Roots of the Ecological Crisis* (1967) is considered an important work in understanding environmental ethics. He described Western Christianity, through its anthropocentric theology, as spreading cultural and material domination over creation. Medieval Christians legitimized natural exploitation and justified it through the biblical injunction in Genesis 1:28, which explains that humans have 'domination' over creation. Later, the notion of 'stewardship' or 'custodian' emerged as a corrective to this domination. Ancient civilizations treated nature as holy, spiritual, and representative of the divine. The redefinition of nature as an inanimate object and not an entity during the Renaissance and Reformation in Europe resulted from the change in religious paradigms. The simultaneous development of modern science, technology, and the capitalist economic system has triggered a rapid increase in the destruction and exploitation of nature. Since the Industrial Revolution, mostly from 1760-1850, humans have increased

their uncontrolled actions and vulnerable activities in the environment. Humans have made their lives more comfortable through technology, industrial growth, and modernization. Several scholars have argued that the Industrial Revolution laid the foundation for modern environmental crises. Before the Industrial Revolution, humans did not experience such harmful effects. After the Renaissance in Europe, many scholars developed the concepts of humanism and secularism in their writings. Subsequently, a negative attitude towards nature has emerged in human thought and action.

Before modern times, humans largely lived in simple societies, and their economy and survival depended on renewable energy sources such as air, water, wind, sunlight, wood, and animal labor. However, the Industrial Revolution changed these modes of life with machine systems and produced machine labor through the excessive use of natural resources. This shift changed the relationship between God, humans, and nature, with humans becoming the supreme actors controlling the entire domain of nature. Consequently, material progress became the main goal, without regard for its sacred nature.

The present ecological crisis largely emerged in the Modern West, where religion was gradually pushed aside and scientific and technological reasoning was given supreme authority as the outcome of the Industrial Revolution. In this transformation, nature was divested of and disconnected from its sacred meaning. Within this intellectual framework, human beings are considered superior and set against the natural world. This narrative was commonly expressed by Francis Bacon in the form of 'scientific empiricism.' In his famous book, *The Advancement of Learning* (1605), Francis Bacon argued that nature exists mainly to serve human needs and that science should primarily focus on improving human well-being. He described it as the 'relief of man's estate,' which can be interpreted as improving human well-being through exploiting nature. In addition, modern ecological crises, also described as the crisis of the sacred earth, are deeply rooted in Rene Descartes philosophical idea of 'dualism,' which places human beings at the center of the universe and treats nature primarily as an object to be controlled and used. Nasr (1996) wrote that this shift "reduced the universe from a theophany to a factory," a world without transcendence.

With the rise of modernity, along with capitalist and liberal ideologies, human societies have moved away from religious teachings on nature. The growth of the capitalist economic system has exacerbated these crises. In modern market economies, progress is mainly judged by surplus production, high consumption and maximum profit. Consequently, environmental damage is often accepted as the cost of economic growth. Multinational companies, rapid urbanization, industrial expansion, pollution, and excessive use of natural resources have seriously harmed natural ecosystems and made the planet increasingly unlivable.

According to Wael Hallaq and Abu Sayem, these sentiments grew stronger as colonial masterminds seized more raw materials and natural resources from the colonized nations. As a result, the British indirectly plundered the environment and natural resources worldwide and introduced contemporary science and technology to the conquered areas. When people believe that nature is dead, they feel no moral obligation to protect it, and reckless exploitation becomes the norm.

The 20th century was the period when trust in modern science and technology was the highest, as many thinkers saw technology as a panacea, which meant that metaphysics and religion became redundant. The negative effects of such hubris can be proven by historical examples, including the activity of Mao, who in the 1950s aimed to achieve the success of his endeavor to conquer nature by the mass extermination of sparrows in China, which caused an ecological disorder and resulted in nationwide starvation. The discussion around ecology has

not only survived in the twenty-first century but has also influenced a vast number of environmental discourses in Global North and Global South societies.

The concepts of justice and accountability are at the center of the environmental debate between the global North and South. Since climate change is a threat to all of humanity, the Global North still holds on to the fact that environmental protection is indispensable and should be enforced with strict legislative tools (IPCC). However, critics point out that the major part of past pollution was created by the initial industry of industrialized Northern countries (UNEP). The Global South claims that it does not have the same responsibility as it has much less emissions, and it still needs development to reduce poverty (UNDP). Southern scholars emphasize the significance of climate justice and insist on the need for financial and technological help from the North to achieve it. In response, critics have argued that inadequate governance and high rates of population growth are also leading to increasing levels of environmental degradation in the south (World Bank).

One of the biggest dangers to modern civilization is environmental problems, which are emphasized in the latest Global Risks Report of the World Economic Forum 2025. Extreme meteorological processes (heatwaves, floods, droughts, storms, etc.) have caused rapid biodiversity decline and ecosystem collapse; major and probably irreversible changes are occurring in the natural systems of the planet, such as the melting of ice sheets and acidification of oceans, which has led to a growing deficit of freshwater, and pollutants are present in the atmosphere, water, and soil. The discussion argues that these two environmental risks are coupled to pose a serious threat to human societies, economic systems, and sustainability of life on the planet. Furthermore, it predetermines the continued inability to mitigate and adapt to future climate change.

The discourse between sacred tradition and modernity in the present day is not complete. It can be seen that this path leads from an ecological perspective to religious reconciliation and from the critique of history to the metaphysical thought of Nasr. Because humanity has lost the inherent values of the Earth, we are facing an existential and environmental crisis. Furthermore, we are facing a civilizational crisis along with an ecological one, which is a clear illustration of how modern society understands its position on the Earth. The spiritual concept of nature should be reconsidered in this context. One need not reject science and technology and turn back to an idealized past to rethink the notion of a sacred Earth. Instead, it is a process of recovering moral and ethical connections with nature. The exploitation of natural resources, coupled with custodianship for the survival of the fittest, is not mutually exclusive, as this historical ecological discussion suggests. The sustainability of alternative lifestyles was also discussed. The systems of indigenous knowledge, philosophical ethics, religion, and environmental governance all facilitate boundaries, harmony, and respect for nature in the same way. These views provide an ingredient that the modern environmental discourse frequently lacks: a picture of why the Earth is valuable to more than is denoted by its economic worth. However, they fail to provide ultimate solutions to environmental problems.

Mujahid Ali

Cosmos, Spirit, and Justice: Exploring Universal Order and Moral Responsibility

Nowadays, the question of climate justice has become the center of global attention. Governments, international organizations, and environmental activists increasingly seek solutions through technological innovation, economic reforms, and political agreements. These efforts are undoubtedly important; however, they often fail to address the deeper roots of the crisis. Climate or environmental justice is far deeper than its outward manifestations. It cannot be understood merely through economic or scientific frameworks because its origin lies in humanity's worldview. The ecological crisis is, above all, a crisis of consciousness. It demands an urgent transformation in the way human beings understand God, the cosmos, nature, and themselves. The dominant modern worldview has cultivated a culture of greed. This greed operates at every level of society—from individuals and corporations to nation-states and the international economic system—where a small global elite controls a disproportionate share of the world's wealth and natural resources. Within such a framework, nature is regarded primarily as an object of production, consumption, and exploitation rather than as a living participant in the web of life. Therefore, environmental destruction is not merely an unintended consequence of industrialization. It is the logical outcome of a worldview that has severed humanity's spiritual relationship with the cosmos.

“Climate justice is not merely an environmental or economic issue. It is, above all, a crisis of worldview.”

Medieval civilization, despite its limitations, generally understood humanity as existing within a Divinely ordered cosmos. This worldview began to change during the Renaissance. The Renaissance gradually replaced this vision with an anthropocentric worldview in which human beings increasingly became the center of reality. As John Opie argues in his article *Renaissance Origins of the Environmental Crisis*, Renaissance humanism celebrated human autonomy and creative power. At the same time, it increasingly separated humanity from nature. Nature was no longer viewed as a sacred order reflecting Divine wisdom but as an external reality to be mastered, reshaped, and subordinated to human purposes. This anthropocentric shift laid the intellectual foundations for the modern technological domination of nature.

The Renaissance undoubtedly produced extraordinary achievements in art, science, architecture, and literature. However, it also encouraged a conception of humanity that increasingly detached itself from both the Sacred Order and the natural world. Human freedom came to be understood as independence from the cosmic hierarchy rather than as participation within it. As Opie suggests, Renaissance culture gradually abandoned the medieval ideal of mutuality among God, nature, and the human being. Instead, it promoted a vision in which nature existed primarily to serve human ambition. This separation became one of the intellectual foundations of the contemporary environmental crisis.

The same tendency continued through later intellectual movements. Darwinian evolutionism interpreted humanity primarily in terms of biological evolution and adaptation. It encouraged an understanding of life that marginalized metaphysical purpose. Freudian psychologism reduced higher human aspirations, morality, and religion to expressions of lower psychological drives. Postmodern relativism further dissolved objective truth by reducing reality to social construction, cultural conditioning, and subjective interpretation. Although these movements differ significantly from one another, they collectively contributed to the erosion of humanity's awareness of the spiritual dimensions of existence. The cosmos became merely matter in motion, while the

human being became either an evolved organism, a psychological mechanism, or a socially conditioned identity.

Such perspectives inevitably produce a civilization driven by endless consumption, technological domination, and ecological exploitation. When nature is stripped of its sacred significance, forests become timber, rivers become commodities, animals become economic resources, and even human beings become instruments of production and consumption. Environmental degradation, climate change, biodiversity loss, and the increasing threat of global catastrophe are, therefore, not isolated problems. They are outward manifestations of an inner spiritual disorder.

The alternative requires the recovery of spiritual consciousness. Humanity must once again recognize the correspondence between the macrocosm—the universe—and the microcosm—the human being. This recognition has been preserved, in different forms, within the world's authentic religious traditions. Islam, Christianity, and Judaism affirm that creation reflects Divine wisdom and that humanity serves as a moral trustee rather than an absolute master of the earth. Likewise, Hinduism, Buddhism, and many indigenous traditions recognize the sacred interconnectedness of life and the ethical responsibility of human beings toward nature. Although these traditions differ in theology and metaphysics, they share the conviction that the natural world possesses an intrinsic significance that transcends material utility.

History demonstrates that civilizations remained comparatively more balanced when their understanding of nature was guided by a transcendent vision and spiritual consciousness. The environmental crisis intensified as humanity increasingly abandoned this sacred vision and embraced a worldview centered on autonomous human desire, technological control, and unlimited economic growth. Even modern threats such as nuclear proliferation ultimately reflect the same spiritual crisis that underlies ecological destruction: the belief that human power can exist without moral and metaphysical responsibility.

If humanity genuinely seeks to survive the environmental crises of the twenty-first century, it must look beyond technological solutions alone. Climate justice requires a transformation of consciousness before it can become a transformation of institutions. Justice is not simply the equitable distribution of resources; it is the restoration of the proper relationship between the Divine, nature, and the human being within the hierarchy of being. Only when the cosmos is recognized as a sacred reality, and the human being as a spiritual microcosm participating within a greater cosmic order, can environmental justice become enduring and meaningful. Without the recovery of spiritual consciousness, humanity will continue to mistake the symptoms of the crisis for their cause and will remain unable to heal either the earth or itself.

Muhammad Hasan
Virtual University, Lahore